برہمنی اور سیکولر جارحیت کے تین نکات

بھارتی فسطائی اور نسل پرست تنظیم 'راشٹریہ سیویم سیوک سنگھ' (RSS) نے مغالطہ انگیزی پر مبنی تین سوال فضا میں اُچھالے ہیں، جن سے ایک عام سطح کا فرد ان مغالطہ انگیز سوالات سے متاثر ہوسکتا ہے۔ آر ایس ایس کے مرکزی نظریہ ساز لیڈر نے بھارت میں بسنے والے ۲۰ کروڑ سے زاید مسلمانوں سے کہا ہے کہ اگر وہ بھارت میں سکون کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو انھیں تین شرطیں پوری کرنا ہوں گی:

● مسلمان، غیر مسلموں کا کافر نہ کہیں۔ ● مسلمان اپنے آپ کو مسلم اُمت کا حصّہ سمجھنا ترک کریں۔ ● مسلمان، نظریہ جہاد سے خود کو الگ کریں۔

درحقیقت یہ تین نکاتی ایجنڈا محض بھارتی نسل پرست برہمنی تنظیم تک محدود نہیں ہے، بلکہ آج مغربی ممالک کی حکومتوں اور ان کے زیر اثر مسلم معاشروں کی مقتدر قوتوں کے جارحانہ پروگرام کا بھی حصّہ ہے۔ تین محترم علماے کرام نے ہماری دعوت پر اس مسئلے پر جو جوابات تحریر کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ س م خ

اسلام کو 'بھارتیانے' کا ناپاک منصوبہ

مفتی منیب الرحمٰن ○

بلاشبہہ بھارت میں راشٹریہ سیویم سیوک سنگھ (RSS) ایک فسطائی (Fascist)، نسل پرست (Racist) اور ہندوؤں کی جنونی مذہبی انارکسٹ (Anarchist) تنظیم ہے۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے، جو کسی آئین وقانون کو نہیں مانتا۔ ان کا مقصد لاقانونیت، انتشار اور فساد ہوتا ہے، وشوا ہندو

○ صدر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان

پریشد (WHP) اس کی ذیلی تنظیم ہے''، نیز یہ کہ اُن کے فکری رہنما رام مادھو نے بھارتی مسلمانوں کو ہندستان میں پرامن طور پر رہنے کے لیے تین شرائط پیش کی ہیں کہ مسلمان بھارت میں ہندوؤں کی طرح اسلام کو ایک پوجا پاٹ کے مذہب کے طور پر اختیار کر کے رہیں۔ جنابِ افتخار گیلانی لکھتے ہیں: ''بھارتی آرمی کے ایک حاضر سروس بریگیڈئر نے ایک تھنک ٹینک کے تحت منعقدہ سیمی نار میں کہا تھا: ''مسلمان بھارت ہی میں مکہ یا کعبہ کا کوئی ماڈل تیار کر کے اس کا طواف کریں یا ہر سال سعودی عرب جانے کے بجائے اجمیر کی درگاہ میں جا کر اپنی عبادت کرلیں، کیونکہ مسلمانوں کا تصورِ اُمّت ہی مسئلہ کشمیر کی جڑ ہے''۔

ویدانتیوں کا ایک مطالبہ یہ ہے: ''مسلمان اپنے علاوہ دوسروں کو کافر نہ کہیں''، جب کہ اسلام کے نزدیک جو اسلامی عقائد واحکام اور فرائض ومحرمات کو تسلیم نہیں کرتا یا جس کے عقائد ضدِّ اسلام ہیں، اُن کا حامل کافر کہلاتا ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، جیسے ''اگر ہندو اپنے آپ کو ہندو یا ویدانتی کہلوائیں یا نصاریٰ اپنے آپ کو مسیحی کہلوائیں یا یہود اپنے آپ کو یہودی کہلوائیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے''، معنوی اعتبار سے اس کا مآل (consequence) یا نتیجہ ایک ہی ہے، اس لیے کفر کو کفر ہی کہا جائے گا۔

دراصل ہندو انتہاپسند یہ سمجھتے ہیں کہ دینِ اسلام، اسلامی اقدار وروایات اور اسلامی شعائر بھارتی مسلمانوں کو اُمّت سے جوڑتے ہیں۔ اس طرح بھارتی مسلمان 'عالمی اخوتِ اسلامی' کے رشتے میں منسلک ہوجاتے ہیں۔ اگر مسلمانانِ عالَم اور مسلم حکومتیں باحمیت ہوں تو وہ بھارتی مسلمانوں کے لیے تقویت کا باعث بن سکتے ہیں۔ اُن کے نزدیک امت اور ملّت کا یہی تصور ہے، جو انھیں بُری طرح کھٹکتا ہے اور جسے وہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن شعائر کو مسلمان کی ظاہری پہچان قرار دیا ہے، حدیث پاک میں ہے:

> حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی، (نماز میں) ہمارے قبلے کی جانب رُخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، تو یہ وہ مُسلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ضمان، (یعنی تحفظ) حاصل ہے، سو اللہ کے ضمان کو نہ توڑو، (صحیح البخاری: ۳۹۱)۔

حدیث پاک سے مراد یہ ہے: اگر مندرجہ بالا ظاہری علامات کسی میں پائی جائیں، تو جب تک اس کا کفر ثابت نہ ہو، اُسے مسلمان تصور کیا جائے گا۔ اسی تصور کو علامہ اقبال نے ان اشعار میں بیان کیا ہے:

مَنفَعت ایک ہے اس قوم کی، نُقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قُرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت سے پیش آنے میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ جب اُس کا کوئی عُضو تکلیف میں ہوتا ہے تو اس کے سبب سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے، (صحیح البخاری: ۶۰۱۱)''۔

علامہ محمد اقبال نے اسی حدیثِ پاک کو منظوم کیا ہے:

مبتلائے درد ہو کوئی عُضو، روتی ہے آنکھ کس قدر ہمدرد سارے جسم کی، ہوتی ہے آنکھ

ہندو فسطائی نسل پرست جنونیوں نے مسلمانانِ ہند پر ہندستان میں پُرامن طور پر رہنے کے لیے جو تین شرائط عائد کی ہیں، وہ وہی ہیں جو پاکستان کے لبرل سیکولر عناصر یہاں کے مسلمانوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستانی لبرل عناصر بھی یہی چاہتے ہیں کہ پاکستان میں مسلمان امت اور ملّت کے تصور سے نکل آئیں، اسلامی ریاست کی بات کرنا چھوڑ دیں اور 'قومی ریاست' کی بات کریں۔ کیونکہ جب ہم مسلم دنیا سے لاتعلقی کے اس تصور کو اپنائیں گے تو بھارتی مسلمانوں، مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں، فلسطین کے مسلمانوں اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں پر جو بھی گزرے، اس سے ہمارا کچھ لینا دینا نہیں ہوگا، اسرائیل کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔

ہمارے لبرل یہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان میں دین سے انحراف، یعنی ارتداد، مذہبی مسلّمات ومقدّسات کی اہانت، الغرض ایسی کسی بات پر، کسی کو مواخذہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہر ایک اسلام کی اپنی تعبیر کرسکتا ہے، اپنے نظریات میں آزاد ہے، کسی عالم یا مفتی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ کسی کے کفر کو کفر کہہ سکیں۔ یہی ہے مادر پدر آزادی، بے راہ روی اور دین اور اہلِ دین سے بیزاری۔ نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ: ''جہاد کی بات نہ کی جائے، کیونکہ اس سے عالَمِ کفر ناراض ہوتا ہے''۔

بھارتی پارلیمنٹ کے سابق رکن اور اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ نے بھی کہا: ''مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دیگر اقلیتوں، سکھوں، جین مت اور بدھ مت کے ماننے والوں اور پارسیوں کی طرح ہندو دھرم کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اس ملک میں چین سے رہیں''، جب کہ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ دینِ اسلام کو حق سمجھے اور اس کے مقابل ادیان کو باطل سمجھے۔ اپنے حالات میں دین کے غلبے کی ہر ممکن کوشش کرے، البتہ اسلام، اپنی قبولیت کے لیے جبر و اکراہ اور دہشت و فساد کی اجازت نہیں دیتا، مگر دعوت و تبلیغ کے ذریعے دینِ اسلام کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمے داری قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہی ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے تمام (باطل) ادیان پر غالب کردے، خواہ مشرک اسے ناپسند کریں، (التوبہ ۹:۳۳، الصف ۶۱:۹)''---اور یہ کہ: ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے تمام (باطل) ادیان پر غالب کردے اور اللہ کی گواہی اس پر کافی ہے (کہ یہ ہوکر رہے گا)، (الفتح ۴۸:۲۸)''۔

اسی طرح کفر کو کفر کہنا پڑے گا۔ قرآنِ کریم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناطق و شاہد ہیں۔ حق و باطل میں تمیز کرنا اور حق کو باطل سے ممتاز کرنا ہر مسلمان کی ذمے داری ہے۔ قرآنِ کریم کی 'سورۃ الکافرون' اور دیگر متعدد آیات اس پر شاہد ہیں، علامہ اقبال نے کہا ہے:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اسلام نے بیانِ حق کے بارے میں مُداہنت کی اجازت تو نہیں دی، لیکن کافروں سے مُدارات ہوسکتی ہے اور قرآن نے اس کی اجازت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھیں اُن لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، جنھوں نے نہ دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تمھیں صرف اُن لوگوں کے ساتھ دوستی سے منع فرماتا ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے نکالنے میں (تمھارے دشمنوں کی) مدد کی ہے اور جو ایسے لوگوں سے دوستی کریں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں، (الممتحنہ ۶۰:۸-۹)''۔

سورۃ التوبہ ۹: ۲۴، اور سورۃ المجادلہ ۵۸: ۲۲ میں قرآنِ کریم نے واضح طور پر بتایا ہے کہ ایمان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، نیز اسلام نے مومن کو کائنات کی اُن تمام چیزوں سے اپنی حد کے اندر رہتے ہوئے محبت کرنے یا وابستگی رکھنے کی اجازت دی ہے، جن سے لگاؤ انسان کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن اگر ان تمام چیزوں کی محبت یکجا ہوکر بھی اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور اُس کی راہ میں جہاد کے مقابل آجائیں تو ایمان تب سلامت رہے گا جب صرف اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد کو محبوب ترین مانا جائے۔

'جہاد' ایک جامع اصطلاح ہے، گذشتہ کچھ عشروں سے دشمنانِ اسلام نے جہاد کو فساد کا ہم معنی قرار دے رکھا ہے۔ یہ نظریہ ایک فریب ہے، باطل ہے اور اسلام سے نفرت کا آئینہ دار ہے۔ جہاد کے اپنے تقاضے اور حدود و قیود ہیں۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلمان ہر وقت اور ہر ایک کے ساتھ جدال و قتال کے لیے آمادہ رہتے ہیں، بحیثیت مسلمان ہم ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اِس وقت جن اقوام کو دنیا پر مادّی وسائل اور حربی صلاحیت کے اعتبار سے غلبہ حاصل ہے، انھوں نے آج تک دانستہ انتہاپسندی، دہشت گردی، عسکریت پسندی کی کوئی جامع مانع متفق علیہ (Agreed upon Comprehencive) تعریف نہیں کی تاکہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں، ان الزامات کو ایک حربے کے طور پر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرسکیں۔ انھوں نے حریّتِ وطن کی جدّ وجُہد (Struggle for Freedom) اور دہشت گردی میں بھی نہ تفریق کی ہے اور نہ ان دونوں کے درمیان 'مابہ الامتیاز' (Distinctive Feature) بتایا ہے۔ انسانی تاریخ میں جدال و قتال ہمیشہ ایک غیر مطلوب اور ناگزیر ترجیح رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! دشمن سے تصادم کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو، لیکن جب (ناگزیر طور پر) دشمن سے ٹکراؤ ہوجائے تو (پھر) صبر کرو (اور ثابت قدم رہو)، (صحیح البخاری: ۲۹۶۶)''۔

امریکیوں کے اجداد نے بھی برطانوی استعمار سے آزادی کے لیے اٹھارھویں صدی کے رُبعِ آخر میں مسلح جدّ وجُہد شروع کی تھی اور امریکی آج بھی اپنی آزادی کے لیے مسلّح جدّ وجُہد کرنے

والوں کو اپنا ہیرو اور نشانِ افتخار (Symbol of Pride) مانتے ہیں۔

بھارتی دستور کی دفعات ۲۵ تا ۳۰ کے تحت بھارتی شہریوں کو آزادیِ ضمیر و آزادیِ مذہب کی اجازت ہے۔ انھیں اپنے مذہب، زبان، رسم الخط، ثقافت، مذہبی تعلیم اور رفاہی مقاصد کے لیے ادارے قائم کرنے، وقف قائم کرنے اور اُن کے انتظامی امور کو چلانے کا حق حاصل ہے، جب کہ ڈاکٹر پروین بائی توگڑیا جیسے متعصب ہندوتوا کے نظریات کے حامل لوگ، مسلمانوں سے آئینی حقوق کو سلب کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام ایک دعوتی دین ہے۔ اسے کسی خاص ملک کی سرحدوں کے اندر محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دعوت سارے عالَمِ انسانیت کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''(اے رسولِ مکرّم!) آپ کہیے: لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، (الاعراف ۷:۱۵۸)''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(مجھ سے پہلے) نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے سارے عالَمِ انسانیت کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، (صحیح البخاری: ۳۳۵)''، ''مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے، (صحیح مسلم: ۵۲۳)''۔

اسلام میں دین اور ملّت ہم معنی ہیں۔ ان میں فرق محض اعتباری ہے: شریعت، اِس حیثیت سے کہ اُس کی اطاعت کی جاتی ہے، دین ہے اور جب اُسے مدون اور منضبط کر دیا جائے تو یہ ملّت اور مذہب کہلاتی ہے۔ دین اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے، ملّت رسول کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ وہ قوم یا گروہ جس کی طرف کوئی رسول مبعوث کیا گیا ہے، امت کہلاتی ہے، سو تمام مسلمانانِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہیں۔ اس نظریے سے مسلمان کبھی دست بردار نہیں ہوسکتے۔ مسلمان مصلحت پسندی کا شکار ہوکر غیر مسلموں کے ساتھ کتنی ہی ملاطفت (leniency) کا برتاؤ کریں یا مداہنت سے کام لیں، قرآنِ کریم نے متنبہ کیا ہے کہ کافر اس حد تک جانے کے باوجود تم سے خوش نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) ''اور یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے تاوقتیکہ آپؐ ان کی ملّت کی پیروی کریں، آپؐ کہیے: اللہ کی (دی ہوئی) ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے

(اور اے مخاطَب!) اگر (حق کا) علم آنے کے بعد بھی تم اُن کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو تمھیں اللہ (کے عذاب سے) بچانے کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار، (البقرہ ۲:۱۲۰)''، (۲) ''اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانیاں بھی لے کر آجائیں، پھر بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے، نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں، نہ وہ ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں، اور (اے مخاطَب!) اگر علم حاصل ہونے کے بعد تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی تو تم بے شک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہوگے، (البقرہ ۲:۱۴۵)''، (۳) ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو اُنھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان ہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، (المائدہ:۵۱)''۔

الغرض اگرچہ کفار کے درمیان باہم مفادات کا ٹکراؤ (Conflict of Interest) بھی ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے کو ناپسند بھی کرتے ہیں، لیکن جب ان کا مقابلہ اسلام اور مسلمانوں سے ہوجائے تو پھر وہ اپنے باہمی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر اسلام کے مقابل یکجا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے: اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ، یعنی سارے کافر اسلام کے مقابل ایک ہی ملّت ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اپنے تصورِ امّت اور ملّت سے دست بردار ہوکر اپنے سارے امتیازات اور خصوصیات کو چھوڑ دیں اور کافروں میں اس حد تک گھُل مِل جائیں کہ ان کا کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہے:

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نَسَب پر انحصار قوتِ مذہب سے مستحکم ہے، جَمعِیَّت تیری

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا، بے حد خبر رکھنے والا ہے، (الحجرات ۴۹:۱۳)''، علامہ اقبال نے کہا ہے:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں
فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

قرآنِ کریم نے غزوۂ بدر کو 'یوم الفرقان' سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے معنی ہیں: ''حق کو باطل سے ممتاز کرنے والا دن''۔ غزوۂ بدر میں جو لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا تھے، اُن میں دنیاوی لحاظ سے ایک دوسرے سے جڑے رہنے کے تمام اسباب موجود تھے۔ اُن کی زبان ایک تھی، نسب، قبیلہ اور برادری ایک تھی، خونی رشتے بھی موجود تھے، رنگ بھی ایک تھا، حتیٰ کہ اگر ایک طرف باپ تھا تو دوسری طرف بیٹا، ایک طرف چچا تھا تو دوسری طرف بھتیجا تھا۔ ایک طرف ماموں تھا تو دوسری طرف بھانجا۔ الغرض وہ تمام نسبتیں موجود تھیں جو انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ باہم ٹکرائے اور فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ پھر یہی منظر غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں تھا، کم وبیش یہی رشتے صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے، لیکن جب یہ رشتے اسلام سے متصادم ہوئے تو امام الانبیاء والرُّسل، خاتمُ النَّبیّین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتۂ اسلام کو مقدم رکھا اور ان تمام رشتوں، نسبتوں اور قربتوں کو اسلام پر قربان کر دیا۔

اقوامِ عالَم اگرچہ نظریاتی طور پر حقوقِ انسانیت، حقِ آزادیِ مذہب اور حقِ آزادیِ اظہار کی داعی ہیں اور حقوقِ انسانی کے منشور پر دستخط کر چکی ہیں، اپنے آپ کو اُن کا پابند سمجھتی ہیں، لیکن کشمیر، فلسطین، مشرقی تیمور اور سوڈان کے حوالے سے ان کے معیارات بدل جاتے ہیں۔ بھارت چونکہ آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا ملک اور ایک بڑی عالمی منڈی ہے، نیز امریکا اور اس کے اتحادی اُسے چین کے مقابل قوت بنانا چاہتے ہیں، اس لیے بھارت کی جانب سے حقوقِ انسانی، مذہبی منافرت وعصبیت اور اقلیتوں پر مظالم کے حوالے سے اس کے خلاف انضباطی اور تادیبی اقدامات نہیں کیے جاتے، صرف رسمی بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اس حوالے سے بھارت اقوامِ عالَم کی پروا بھی نہیں کرتا، کیونکہ چین کے محاصرے کے لیے جو چار رکنی اتحاد بنایا ہے، اس میں امریکا، جاپان اور آسٹریلیا کے ساتھ بھارت بھی شامل ہے۔ ماضی میں جب امریکا اور اشتراکی روس کے درمیان دنیا کے ممالک کو اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے سرد جنگ جاری تھی، تو اُس وقت نہرو کی قیادت میں بھارت 'غیر وابستہ ممالک' میں اہم کردار ادا کر رہا تھا، لیکن اب نریندر سنگھ مودی کی قیادت میں بھارت نے غیر وابستگی کا چولا اُتار پھینکا ہے اور وہ چین کے مقابل امریکا اور اس کے مغربی اتحادیوں کے ساتھ کھڑا ہے۔

اللہ کی قدرت سے بیش تر مسلم ممالک بحری اور برّی ذرائع سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلم ممالک کو معدنیات کی بے پناہ دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ یہ ممالک عالمی تجارتی گزرگاہوں پر واقع ہیں، ان کی مجموعی آبادی بھی بہت ہے۔ اگر یہ صدقِ دل سے اپنی اپنی خودمختاری کو قائم رکھتے ہوئے ایک مشترکہ بلاک اور مشترکہ منڈی قائم کریں تو بلاشبہہ عالمی پالیسیوں پر اثرانداز ہوسکتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے اور نہ اس کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ان مسلم ممالک میں باہم آویزش بھی جاری ہے، ان میں سے بیش تر امریکا اور مغرب کے زیرِاثر ہیں، بعض ممالک بدستور روس کے زیرِاثر ہیں، اس لیے یہ اپنی کوئی متفقہ پالیسی بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، یعنی آزاد ہوتے ہوئے بھی آزاد نہیں ہیں، ورنہ بھارتی انتہاپسند کبھی مسلمانانِ ہند کے بارے میں یہ رویہ اختیار کرنے کی جسارت نہ کرپاتے۔

ایمانی اور علمی پختگی سے حالات کا مقابلہ

مولانا ابوعمار زاہدالراشدی°

بھارت کی انتہاپسند ہندو تنظیم 'آر ایس ایس' کے لیڈر رام مادھو کی طرف سے انڈیا میں رہنے والے مسلمانوں سے تقاضا کیا گیا ہے کہ ''وہ غیرمسلموں کو کافر نہ کہیں، خود کو عالمی مسلم اُمہ کا حصّہ سمجھنا ترک کردیں اور نظریۂ جہاد سے خود کو الگ کرلیں''۔

یہ تقاضا کوئی نیا نہیں ہے اور نہ صرف بھارتی انتہاپسندوں کا یہ مطالبہ ہے، بلکہ آج کے عالمی سیکولر حلقوں کا بھی مسلمانوں سے یہی مطالبہ ہے۔ اس کی بنیاد صرف وطنیت پر نہیں بلکہ انسانی سوسائٹی کے اجتماعی معاملات میں آسمانی تعلیمات سے لاتعلقی اور تمام قومی و معاشرتی معاملات کو طے کرنے کے لیے علاقائی معاشرتی مزاج اور خواہشات کو بنیاد بنانے کے اصول سے منسوب ہے، جسے قرآن کریم نے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ (النجم ۵۳:۲۳) سے تعبیر کیا ہے اور اس کی نفی کرتے ہوئے وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (النجم ۵۳:۲۳) کا فطری

° سیکرٹری جنرل، شریعت کونسل پاکستان، اور مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ الشریعہ، گوجرانوالہ

قانون سب کے سامنے رکھا ہے۔

انڈیا میں چونکہ وطنیت کو ہی تمام اُمور کی اساس قرار دینے کے ہندو فلسفہ میں مسلمانوں کی کش مکش عملاً صدیوں سے چلی آرہی ہے، اس لیے یہاں یہ بات زیادہ شدت اور سنگینی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ عالمی سطح پر اس کش مکش کا تناظر یہ ہے کہ مغرب اپنے فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کو پوری انسانیت کے لیے حتمی معیار قرار دیتے ہوئے، دُنیا بھر میں اس کے غلبے اور تمام تر مذہبی و علاقائی ثقافتوں کو روندتے چلے جانے کے لیے ہر حربہ اختیار کر رہا ہے۔

مگر جب یہی بات آسمانی تعلیمات کا فائنل ایڈیشن اسلام کے عنوان سے کہتا ہے کہ انسانی فلاح و بہبود اور نجات و کامیابی کا واحد معیار آسمانی تعلیمات ہیں تو اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَہۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ کی پیروکار قوتیں ہر جگہ اسے کسی قسم کے معاشرتی کردار کا موقع دیئے بغیر ہر حال میں روکنے اور کچل دینے پر تلی بیٹھی ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت روز بروز واضح ہوتی جارہی ہے کہ آسمانی تعلیمات کو اپنے فائنل ایڈیشن اسلام کی صورت میں دنیا میں کسی جگہ بھی آزادی کے ساتھ معاشرتی کردار ادا کرنے کا موقع مل جائے تو مغربی فلسفہ و نظام کے لیے اس کا سامنا کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اسی خوف سے نہ صرف مغرب بلکہ اپنے محدود تصورات و افکار کو دُنیا پر غالب کرنے کا خواہش مند ہر طبقہ، اسلام دشمنی کا علَم بردار بنا ہوا ہے۔

بھارت میں یہ صورتِ حال قدرے مختلف ہے کہ یہاں اسلامی فلسفہ و ثقافت پر یلغار کا پرچم ہندو مذہب کے انتہاپسندوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ مسلمانوں کو اسلام کی آفاقی تعلیمات اور فطری قوانین و احکام پر عمل سے روکنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

ہمیں اس سلسلے میں بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی اجتماعی سوچ اور اپنے عقیدہ و ثقافت کے تحفظ کے لیے ان کی جدوجہد میں ان کا معاون بننا چاہیے۔ معروضی حالات و ظروف کا لحاظ رکھتے ہوئے، سنجیدگی کے ساتھ ان کی علمی و اخلاقی مدد کرنا چاہیے۔ مسلمانوں پر اسی قسم کی آزمایشیں اور چیلنجز تاریخ کے مختلف اَدوار میں سامنے آتے رہے ہیں، جن کا سامنا عقیدہ و ایمان پر پختگی، استقامت، حوصلہ اور حکمت و تدبر کے ساتھ کرنے والے ہمیشہ سرخرو رہے ہیں اور اب بھی ان شاء اللہ العزیز ایسا ہی ہوگا۔ اگرچہ بظاہر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ شاید یہ دور زیادہ سنگین اور کہیں

زیادہ صبر آزما ہے۔ اللہ تعالیٰ بھارت بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کو اس میں باوقار سرخروئی سے بہرہ ورفرمائے، آمین یارب العالمین!

مسلمانوں سے 'ہندوتوا' کے بے جا مطالبے

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی ○

ہندستان کی شدّت پسند اور 'ہندوتوا' کی علَم بردار تنظیم راشٹریہ سیویم سیوک سنگھ (RSS) کے ایک راہ نما اور نظریہ ساز رام مادھو نے ایک سہ نکاتی فارمولہ پیش کیا ہے، جس پر عمل کر کے ہندستانی مسلمان ملک میں سکون کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس فارمولے کے نکات درج ذیل ہیں:

● مسلمان غیر مسلموں (ہندوؤں) کو کافر نہ کہیں۔ ● وہ خود کو عالمی مسلم امت کا حصّہ سمجھنا ترک کردیں۔ ● وہ نظریۂ جہاد سے خود کو الگ کرلیں۔

یہ مطالبات اسی نوعیت کے ہیں، جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے زمانے کے مشرکین کرتے تھے۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو مشرکین نے اس سے روکنے اور اس کام سے باز رکھنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے۔ ابتدا میں مخالفت ہلکی رہی، لیکن بعد میں اس میں شدّت آتی گئی۔ کمزور سماجی حیثیت رکھنے والے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سودا بازی کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپؐ سے مطالبہ کیا گیا کہ کچھ باتیں آپؐ ان کی مان لیں تو وہ کچھ باتیں آپؐ کی مان لیں گے، لیکن ان سے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ دین کے معاملے میں کوئی مداہنت نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ (القلم ۶۸: ۸-۹) لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔

○ سیکرٹری، شریعہ کونسل جماعت اسلامی ہند، اور نائب مدیر: سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ

قرآن نے مخالفینِ اسلام کی مسلمانوں سے عداوت اور ان کی قولی اور عملی شر انگیزی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے دلوں میں چھپے ارمانوں سے ان الفاظ میں پردہ اٹھایا ہے:

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ۝ (الممتحنۃ ۶۰:۲) ان کا رویّہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمھارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمھیں آزار دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء ۴:۸۹) وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ، تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔

یہی رویّہ موجودہ دور کے مشرکین کا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے امتیازات سے دست بردار ہو جائیں اور جو بنیادی عقائد و تصوّرات ان کے درمیان خطِّ امتیاز کھینچتے ہیں ان سے لاتعلّقی اختیار کرلیں۔ ہندستانی مسلمانوں سے اِن دنوں جو مطالبات کیے جارہے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ ذیل میں ان مطالبات کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

● **غیر مسلموں کے لیے لفظ 'کافر' کا استعمال:** موجودہ دور میں لفظ 'کافر' کو گالی کے مثل سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لیے مسلمان جب دوسرے مذاہب والوں کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں بُرا بھلا کہا جا رہا ہے اور مطعون کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ''اگر مسلمان اس ملک میں پُرامن بقائے باہم چاہتے ہیں تو دوسرے مذاہب والوں کے لیے اِس لفظ کا استعمال ترک کردیں''۔ حالاں کہ یہ بات درست نہیں ہے، اس لیے ان کے اس مطالبے کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

'کافر' عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ 'کفر' سے مشتق ہے۔ عربی زبان میں لفظ 'کفر' کے اصل معنٰی چھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ عربوں کے کلام میں اس مادہ سے جتنے الفاظ آئے ہیں، سب میں یہ معنٰی کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ لفظ 'کافر' کا اطلاق ان چیزوں پر کرتے ہیں جو کسی چیز کو ڈھانپ لیں، مثلاً رات، سمندر، وادی، دریا، گہرا بادل، کسان، زرہ، وغیرہ۔ اسی طرح اس میں ناشکری کے معنٰی بھی پائے جاتے ہیں۔ لفظ 'کفر' کا استعمال اسلام کے بالمقابل ایک

اصطلاح کے طور پر بھی ہوا ہے، یعنی 'اسلام کو نہ ماننے والا'۔ اسلام کی کچھ بنیادی تعلیمات ہیں۔ کچھ لوگ اس کو مانتے ہیں، کچھ نہیں مانتے۔ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ وہ ہر انسان کو آزادی دیتا ہے کہ چاہے اس پر ایمان لائے، چاہے نہ لائے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (البقرہ ۲:۲۵۶) دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا تھا کہ ایمان لانے کے معاملے میں کسی پر جبر سے کام نہ لیں:

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹ (یونس ۱۰: ۹۹) اگر تیرے ربّ کی مشیّت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تُو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟

اسلام ایک نظریاتی مذہب ہے۔ انسانوں کو آزادی ہے۔ جو لوگ چاہیں اسے مانیں، جو چاہیں نہ مانیں۔ جو اسے مان لیتے ہیں انھیں قرآن مجید 'مومن' (یعنی ایمان لانے والا) کہتا ہے اور جو اسے نہیں مانتے انھیں 'کافر' (یعنی ایمان نہ لانے والا) کہتا ہے۔ یہ حقیقتِ واقعہ کا بیان ہے۔ اس میں اہانت اور مذمّت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر دوسرے اہلِ مذاہب کا رویّہ ان سے دشمنی، جنگ اور فساد کا نہ ہو تو وہ بھی ان سے خوش گوار سماجی تعلقات رکھیں، ان سے اچھا برتاؤ کریں اور ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آئیں۔ صرف ان لوگوں سے دوستانہ اور رازدارانہ تعلقات رکھنے کی ممانعت ہے، جو دشمنی پر آمادہ ہوں اور مسلمانوں کے جانوں اور مالوں کے درپے ہوں۔ قرآن میں ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹ (الممتحنۃ ۶۰:۸-۹) اللہ

تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اِخراج میں ایک دُوسرے کی مدد کی ہے۔ اُن سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

● **مسلمان عالمی امّت کا حصہ:** اسلام مساوات کا علَم بردار ہے۔ اس کی نظر میں دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ جو لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں، انھیں وہ اخوت کے رشتے میں باندھ دیتا ہے، جو بسا اوقات خون کے رشتے سے زیادہ طاقت وَر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات۴۹:۱۰) مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوّت کے بعد جو لوگ آپ پر ایمان لائے انھیں مکہ مکرّمہ میں بہت ستایا گیا، یہاں تک کہ وہ پہلے حبشہ، پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہ لوگ 'مہاجر' کہلائے۔ مدینہ کے لوگ، جو پہلے ایمان لا چکے تھے، انھوں نے ان بے سروساماں لوگوں کی خوب بڑھ چڑھ کر مدد کی۔ انھیں 'انصار' کہا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان میں 'مواخات' (بھائی چارہ) کرائی۔ اس کے نتیجے میں وہ باہم شیر وشکر ہوگئے۔ انسانی تاریخ نے ایمان کی بنیاد پر ایسے مضبوط رشتے کی کوئی مثال نہیں دیکھی۔ قرآن مجید میں بھی کہا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسانوں میں دوئی باقی نہیں رہتی، بلکہ وہ ایک ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ ط (الانفال۸:۷۵) اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمھارے ساتھ مل کر جدّوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔

اسلام اہلِ ایمان کو ایک امّت قرار دیتا ہے، جو ایک عقیدے اور ایک نظریے کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان فکر ونظر کا کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ (الانبیاء ۲۱: ۹۲) یہ تمھاری امّت حقیقت میں ایک ہی امّت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔

وَإِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾ (المومنون ۲۳: ۵۲) اور یہ تمھاری اُمّت ایک ہی امّت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس مجھی سے ڈرو۔

موجودہ دور میں وطنیت اور قومی ریاست کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دنیا مختلف ممالک کے دائروں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ہر ملک کے اپنے مفادات ہیں، جن کی تکمیل کے لیے وہاں کی حکومت کوشاں رہتی ہے اور اس سلسلے میں جائز و ناجائز کی بھی پروانہیں کرتی ___ ایک ملک کے شہریوں کا دوسرے ملک کے شہریوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اگر رہتا ہے تو وہ بھائی چارہ، ہمدردی اور مودّت کے بجائے شک وشبہہ، منافرت، بلکہ بسا اوقات دشمنی پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ سراسر جاہلی تصوّر ہے، جسے نیا پیراہن پہنا دیا گیا ہے۔ جاہلی شاعر دُرید بن صمّہ کہتا ہے:

وَمَا أَنَا اِلَّا مِنْ غَزِيَّةَ اِنْ غَوَتْ غَوَيْتُ، وَاِنْ تَرْشُدْ غَزِيَّةُ أَرْشُدِ

(میں تو قبیلۂ غزیّہ کا ایک فرد ہوں۔ وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی اسی راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راہ اختیار کرے گا تو میں بھی اس کے پیچھے چلوں گا)۔

اسلام اس نظریے کا قائل نہیں۔ وہ تمام اہل ایمان کو، چاہے وہ جس علاقے اور جس ملک میں رہتے ہوں، جس رنگ ونسل کے ہوں، جو زبان بھی بولتے ہوں اور جس سماجی حیثیت کے مالک ہوں، ایک جسم کی مانند قرار دیتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی بلیغ تمثیل بیان فرمائی:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (مسلم: ۲۵۸۶) اہلِ ایمان کے درمیان میں باہم محبت، رحم وکرم اور اُلفت کے معاملے میں ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر اس کے کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بےخوابی اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اسلام اور وطنیت کا کوئی کوئی میل نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

● **اسلام کا نظریہ جہاد**: اسلامی اصطلاحات میں سے جس اصطلاح پر شاید سب سے زیادہ اعتراضات کیے گئے ہیں وہ 'جہاد' ہے۔ اس کی اتنی بھیانک تصویر بنا دی گئی ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی لوگوں پر خوف طاری ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے ہندستانی مسلمانوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اس سے دست بردار ہوجائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت اور عروج کے لیے مسلمانوں نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر زبردستی مجبور کیا اور تلوار کی طاقت سے ملک پر ملک فتح کیے۔ عجب طرفہ تماشا ہے کہ جو مذہب اسلام، آزادیِ فکر و نظر کا سب سے بڑا علم بردار ہے اور جس کے پیروکاروں کے اقتدار و حکومت کے ماتحت مختلف اقلیتیں صدیوں تک آزادی کی فضا میں سانس لیتی رہی ہیں، اسی پر جبر کا الزام لگایا جاتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے افکار و خیالات کسی پر زبردستی مسلّط نہیں کرتا۔ وہ انسانوں کو آزادی دیتا ہے کہ وہ اس کے عقائد و نظریات پر غور کریں، عقل و فکر کے دریچے کھلے رکھ کر اسے سمجھیں، پھر چاہیں تو اسے قبول کرلیں اور چاہیں تو نہ قبول کریں۔ وہ بہت تفصیل سے قبولِ حق کے اچھے نتائج و ثمرات بیان کرتا اور انکارِ حق کے نتائج بد سے آگاہ کرتا ہے، لیکن کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹:۱۸) صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سامنے حق اور ناحق دونوں کو خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، لیکن ساتھ ہی اس نے انھیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔ اس آزادی سے کام لے کر کچھ لوگ حق کو قبول کر لیتے ہیں اور اللہ کے فرماں بردار بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ اسے قبول نہیں کرتے اور نافرمانی کی روش پر گام زن رہتے ہیں۔ کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا اس آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو بہرہ ور کیا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴿۹۹﴾ (یونس ۱۰:۹۹) اگر تیرے رب کی مشیّت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن اور فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہوجائیں؟

اسلامی عقائد ونظریات کے پیچھے دلائل کی قوت ہے اور اسے یقین ہے کہ جو شخص بھی کھلے دل و دماغ کے ساتھ ان پر غور کرے گا وہ ضرور حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوجائے گا۔ اسی لیے وہ تاکید کرتا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی پر زور زبردستی نہ کی جائے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۟ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ (البقرہ ۲:۲۵۶) دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

اسلام پُرامن فضا قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تمام لوگ کھلے ماحول میں، پوری آزادی کے ساتھ بغیر کسی دباؤ کے، اسلام کے بارے میں غور وفکر کرسکیں۔ اس چیز کو یقینی بنانے کے لیے اسلام پُرامن فضا قائم رکھنا چاہتا ہے۔ فتنہ وفساد، انارکی، بدامنی اور جنگ کی حالت ہو تو افہام وتفہیم کی راہیں اور بھی مسدود ہوجاتی ہیں۔ اس لیے اسلام چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، جنگ سے بچنے کی کوشش کی جائے اور اس پر اسی صورت میں آمادہ ہوا جائے جب جنگ کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ رہے۔ اسلام امن وامان کا کس حد تک خواہاں ہے، اس کا اندازہ اس تعلیم سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر دورانِ جنگ دشمن کی طرف سے صلح کی پیش کش ہو تو اسے فوراً قبول کرلیا جائے، خواہ اس کے پس پردہ دشمن کی بدنیتی اور دھوکے کا شبہہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ (الانفال ۸:۶۱-۶۲) ''اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہوجاؤ اور اللہ پر بھروسا کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمھارے لیے اللہ کافی ہے۔

۶ھ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کے ارادے

سے نکلے، مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی دشمنوں نے آپؐ کو روک دیا اور آمادۂ جنگ ہوئے۔ اس موقع پر حدیبیہ کے مقام پر جو صلح نامہ تیار ہوا اس کی تمام شرائط یک طرفہ تھیں اور ان سے مسلمانوں کی پسپائی اور ان کے دشمنوں کی برتری ظاہر ہوتی تھی۔ اس بنا پر بہت سے مسلمان بے چینی محسوس کر رہے تھے اور بعض اصحابؓ کے تو صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام شرائط تسلیم کرلیں کہ ان کی بدولت امن و امان کا زرّیں موقع ہاتھ آرہا تھا۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔ امن کے نام پر یہ ظاہری پسپائی 'فتح' کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور دو سال کے عرصے میں جتنی بڑی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اتنے مدنی عہد کے چھ سال میں بھی نہ ہوئے تھے۔

لیکن جب انسانوں کا ایک طبقہ دوسرے انسانوں پر اپنی مرضی مسلّط کرنے لگے، ان کی آزادیاں سلب کرلے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور انھیں مجبور ومحکوم بنا کر رکھے تو اسلام ان مظلوموں کا حامی بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسے ظالم و جابر لوگوں کی سرکوبی ضروری ہے، جو اللہ کی سرزمین پر اللہ کے بندوں کو ظلم وتشدّد کا نشانہ بناتے ہیں اور انھیں آزادی اور سکون کے ساتھ رہنے نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ (النساء ۴:۷۵) آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

اسی طرح اسلام مسلمانوں کو ان لوگوں کا مقابلہ کرنے اور ان سے جنگ کرنے کا بھی حکم دیتا ہے جو ان سے جنگ کرنے میں پہل کریں۔ وہ جس طرح دوسروں پر ظلم کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اسی طرح ظلم سہنے کا بھی روادار نہیں ہے۔ اسی لیے مشرکین مکہ کے مظالم جب حد سے گزر گئے، تو مسلمان اپنا دین وایمان بچانے کی غرض سے مدینہ، ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، مگر

یہاں بھی مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا، ان کے خلاف سازشیں کیں اور دوسروں کو ان کے خلاف بھڑکا دیا۔ بالآخر جب پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تو مسلمانوں کو بھی ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ (الحج ۲۲:۳۹-۴۰) اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ''ہمارا رب اللہ ہے''۔

اسلام میں 'معروف' کا حکم دینے اور 'منکر' سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے نزدیک دونوں کی یکساں اہمیت ہے۔ قرآن میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن ایک اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ اسلام تمام انسانوں کو معروف کی دعوت دیتا ہے اور انھیں قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے، لیکن ان کے قبول و اختیار کو ان پر لازم نہیں کرتا۔ تاہم وہ انھیں منکرات کا ارتکاب کرنے کی کھلی چھوٹ نہیں دیتا، بلکہ ان پر روک لگاتا ہے اور انھیں ان سے باز رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ظلم و جور کر رہے ہوں، فتنہ و فساد پھیلا رہے ہوں اور برائیاں عام کر رہے ہوں، انھیں دنیا میں اللہ کے قانون کے تابع ہوکر رہنا پڑے گا اور دنیا کے اقتدار کے مالک وہ لوگ ہوں گے، جو اس پر اللہ کا حکم نافذ کریں اور اسے فتنہ و فساد سے پاک رکھیں:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال ۸:۳۹) ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہوجائے۔

اس سے واضح ہوا کہ اسلام میں 'جہاد' کا مقصد دوسروں کو زور زبردستی سے مسلمان بنانا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد 'شر' کا زور توڑنے، فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو اور ان لوگوں کو بے اختیار کر دیا جائے، جو اس دنیا میں جبر و اِکراہ، ظلم و زیادتی اور برائیوں کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں، تاکہ اللہ کے بندوں کو آزادی نصیب ہو اور وہ بغیر کسی دباؤ کے اللہ کا دین قبول کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرسکیں۔